شم بینا! بزم اکبر کو ذرا عبرت سے دیکھ
سن ماضی حال کے آئینہ میں حسرت سے دیکھ

(علامہ محوی صدیقی لکھنوی)

# دربار اکبر

مؤلف

ممتاز مدراسی

چھاپہ

یب پبلشنگ ہاؤس اکبر آباد۔ مدراس نمبر ۲۴
مدر الشعراء حضرت سرشار کسمنڈوی لکھنوی
حیدر گنج لکھنؤ

سنہ ۱۹۲۹ء

قیمت ۸/ علاوہ محصول

# فہرست مضامین

# انتساب

میں اپنی اس ناچیز اوّلیں تالیف دربارِ اکبر کو بہ کمال خلوص و عقیدت اور نہایت مسرت و فخر کے ساتھ عالی جناب مولانا سید شاہ امین الدین پیران صاحب امین چشتی القادری رئیس کوڑمبا کم (اکبرآباد) مدراس کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں، جن کی بیش بہا عنایتوں کو میں زندگی کی کسی منزل میں بھی فراموش نہیں کر سکتا۔

مجسمۂ نیاز
ممتاز مدراسی غفرلہ

# پیش لفظ

(از محترمہ حسن بانو صاحبہ قزلباش بی۔ اے مقیم پڑعیدن (پاکستان) مصنفہ "مداوا")

"دربار اکبر" لکھ کر جناب سعد اللہ صاحب ممتاز نے تاریخ میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اگرچہ محققین کو اس میں تاریخ کے نئے نکات نظر نہ آئیں تاہم یہ کتاب بچوں کے لیے ضرور دلچسپ و مفید ثابت ہوگی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔ یہ کتاب انھوں نے پانچ سال قبل لکھی تھی۔ لہٰذا ایک تیرہ چودہ سال کے لڑکے کی یہ ابتدائی کوشش قابل صد ستائش و لائق صد تحسین ہے۔ البتہ اگر وہ نظر ثانی کرتے تو اس کی افادیت میں اضافہ ہو جاتا تاہم موجودہ صورت میں بھی مفاد سے خالی نہ ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ ممتاز صاحب کی یہ کاوش جلد ہی شائقین سے خراج تحسین حاصل کرے گی۔

حسن بانو قزلباش

# مقدمہ

از حکیم الملک افتخار الشعراء حضرت جگر صدیقی وارثی بسوانی ظلہٗ یادگار حضرت امیر مینائیؒ

مرصع ہے ایوانِ دربار اکبر ‏ ‏ ‏ نرالی ہے عظمت و شان دربار اکبر

جنوبی ہند جہاں سے اول اول حضرت ولی نے نعرۂ شاعری بلند کیا تھا، وہاں سے پھر شعر و شاعری، مضامین نظم و نثر لکھنے والے یارانِ ادب کوشاں نظر آرہے ہیں۔

ہمارے مہربان حضرت ممتاز مدراسی جن سے صحافتی دنیا بخوبی روشناس ہے، آپ "ادیب" کے ایڈیٹر اور شاعری میں کہنہ مشق ہیں آپ نے فی الحال کتاب "دربار اکبر" لکھ کر دنیائے تاریخ پر پوری روشنی ڈالی ہے اور پوری کوشش سے اس عظیم الشان دربار کے حالات لکھتے ہیں، جو بے حد دلچسپ ہیں۔ خدا کرے یہ کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے۔

دعا گو

جگر بسوانی

# ارباب نظر سے

"دربار اکبر" کے متعلق "پیش لفظ" اور "مقدمہ" کی صورت میں آراء تحریر فرمائی جا چکی ہیں، اس کے متعلق میرا مزید اظہار خیال کرنا تضییع اوقات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

صرف یہ عرض کرنا ہے کہ میں نے زیر نظر تالیف پانچ سال قبل لکھی تھی تاکہ طلبہ کے لئے تاریخ کی صورت میں دلچسپی کے سامان فراہم کئے جا سکیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ بہت سی خامیاں رہ گئی ہوں۔ ارباب نظر سے عموماً اور اساتذۂ فن سے خصوصاً درخواست ہے کہ وہ ان غلطیوں کو درگذر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائیں۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

## ھدیۂ تشکر

محترم حسن بانو صاحبہ قزلباش اور حضرت جگر بسوانی مدظلہ کا ممنون کرم ہوں کہ انھوں نے "دربار اکبر" پر اظہار خیال فرمایا۔

خاکپائے اساتذہ

ممتاز مدراسی غفرلہ

دفتر ماہنامہ "ادیب"

اکبر آباد، مدراس ۲۴

۱۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

# دربارِ اکبر

## بیرم خاں

بیرم خاں بابر کے زمانے سے حقِ نمک ادا کرتا آیا تھا۔ اُس نے متعدد جنگوں میں دلیری اور جواں مردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ دنیا عش عش کرنے لگی۔ اس طرح جان پر کھیل کر اس نے حکومت مغلیہ کی بنیادوں کو مستحکم بنایا۔ ہمایوں کے انتقال کے وقت اکبر کی عمر تیرہ سال کے لگ بھگ تھی۔ لہٰذا حکومت کی باگ ڈور بیرم خاں کو سنبھالنی پڑی۔ جس وقت ہمایوں کی حیات کا چراغ گُل ہو رہا تھا، اُس وقت بیرم خاں میدانِ کارزار میں ہمایوں کے حریف سکندر سوری سے برسرِ پیکار رہا تھا۔ اسی اثنا میں اس کو اطلاع ملی کہ میرزا سلیمان نے نہ صرف کابل کو فتح کر لیا ہے بلکہ افغانستان کے ان صوبوں پر بھی جن کو ہمایوں نے فتح کیا تھا اپنا تسلط جما لیا ہے۔ ادھر ہیمو نے سلطان عادل اور سکندر سوری سے مل کر اکبر سے

خلاف بغاوت کر دی۔ ایک زبردست جنگ کے بعد ہیمو کو شکست ہوئی۔ جب گرفتار کر کے وہ اکبر کے روبرو لایا گیا تو بیرم نے اکبر سے کہا کہ وہ ہیمو کو ایک ضرب کاری لگائے اور بعد میں اس کو قتل کر دیا جائے تاکہ اکبر غازی کہلائے۔ مگر اکبر نے ایک مرتے ہوئے انسان کو مارنا مردانگی اور شجاعت کے منافی سمجھا۔ ع

جو آپ ہی مر رہا ہو اُس کو گر مارا تو کیا مارا

۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو ہیمو قتل کر دیا گیا۔

اس فتح کے بعد اکبر کو متعدد جنگوں میں فتح نصیب ہوئی اور اس کا اقتدار روز بروز بڑھتا گیا۔ جس کسی نے سر اُٹھایا اکبر نے اُس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ وہ بیرم خاں کو بہت عزیز رکھتا تھا — مگر اہل دربار کو بیرم خاں کا غرور ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بیرم ذرا سنگ دل واقع ہوا تھا۔

ایک بار اکبر ہاتھیوں کی کشتی دیکھ رہا تھا کہ ایک مست ہاتھی وہاں سے بھاگ نکلا اور بیرم کے کئی خیموں کو اُکھاڑ ڈالا۔ اس خطا پر بیرم نے نہ صرف مہاوت کو بلکہ گورنر دلی تردی بیگ کو بھی قتل کروا دیا — لہذا اکبر نے بیزار ہو کر عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بیرم نے کھُلم کھُلا اکبر کے خلاف بغاوت کرنی چاہی مگر ہمت نہ ہوئی۔ حج کے بہانے وہ آگرہ چلا گیا اور مستقبل سے متعلق پروگرام مرتب کر رہا تھا کہ اکبر کا فرمان پہنچا کہ تم اپنے

عہدے سے برخاست کردیے گئے تھے۔ بیرم وہاں سے گجرات
روانہ ہوگیا، مگر شاہی فوج نے اُسے پنجاب میں شکست دی۔
آخر کار مجبور ہوکر وہ شہنشاہ اکبر کے حضور میں آیا اور معافی کا خواستگار
ہوا۔ اس کی گزشتہ خدمات کے مدنظر اکبر نے اس کو معاف کر دیا
اور گجرات کا گورنر بنا دیا۔ بیرم گجرات جانے ہی والا تھا کہ کسی
افغان نے بیرم کو قتل کر ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ قاتل کے باپ کو بیرم
نے کسی جنگ میں قتل کر دیا تھا لہٰذا بیٹے نے اپنے باپ کا انتقام
بیرم سے یوں لیا۔

اکبر چونکہ فہیم تھا اور ہر فن میں ماہر تھا اس لیے اٹھارہ سال
کی عمر میں اتنی وسیع سلطنت کو بخوبی سنبھالنے لگا۔ اس کے دربار
میں ہندو مسلم کو ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اسی باعث وہ رعایا
کے دلوں پر بھی حکومت کرنے لگا۔ سنہ ۱۵۶۱ء میں اس نے شیر شاہ
سوری کو شکست فاش دی اور لکھنؤ سے افغانوں کو نکال کر گنجینہ
سے جونپور تک اپنی سلطنت بڑھا دی۔ اکبر کے کئی سردار
خان زمان سے مل کر جونپور دبا بیٹھے تھے مگر دو برس کے اندر
اس نے سارے ملک کو بغاوت و فساد کی لعنت سے پاک کر ڈالا
کاشغر میں عبدالمعالی باغی ہوگیا۔ شرف الدین بھی اس کے ساتھ
تھا۔ ان لوگوں نے اکبر کی فوج کو شکست دی اور دہلی پر حملہ آور
ہوئے مگر اکبر نے مقابلہ کر کے واپس بھگا دیا۔ اسی اثنا میں جب پرتگ

مہاراجہ امبار نے بھی اکبر کی اطاعت قبول کر لی۔ چتوڑ کے رانا سنگا نے جب سُنا کہ اس طرف اپنا رُخ پھیرا ہے تو سلطنت چھوڑ کر بھاگ گیا اور قلعہ آسانی کے ساتھ ہاتھ آ گیا۔ گو راجہ امبار کے بھاگنے کے بعد جے مل نے اکبر کا مقابلہ کیا مگر اکبر نے بندوق سے اس کا کام تمام کر دیا۔
اس کے بعد اکبر نے گجرات فتح کیا اور پھر بنگال گیا جہاں داؤد خاں حاکم بنگال نے خراج دینے کا وعدہ کر لیا۔ اُدھر کابل پر اکبر کی ایک سوتیلی ماں نے قبضہ کر لیا تھا لیکن اکبر نے ان سب پہ فتح پا لی۔ ۱۵۸۶ء میں اس نے کشمیر فتح کیا اور اس کے بعد ہندوستان میں امن قائم ہو گیا۔ اکبر دکن کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا تاکہ ہندوستان ایک ہو جائے۔ خاندیش کے بادشاہ نے بھی اکبر کی اطاعت قبول کر لی۔ انھیں دنوں احمد نگر میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا تھا وہاں کے وزیر نے اکبر سے مدد کی درخواست کی چنانچہ شاہی افواج احمد نگر پہونچیں۔ وہاں چاند بی بی اپنے نابالغ بھتیجے کی سرپرست بنی بیٹھی تھی اُس نے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور مغل پسپا ہو گئے۔ اس جنگ سے اتنا فائدہ اکبر کو ہوا کہ برار پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ گو گولکنڈہ اور بیجاپور پر اس نے چڑھائی کی لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا آخر کار اکبر دلی واپس آ گیا۔

راجپوتوں سے اس نے بہت ناتے جوڑے۔ راجہ بہاری مل والیِ جے پور کی بیٹی سے شادی کی۔ جہانگیر اسی کے بطن سے پیدا

ہوا۔ جہانگیر کی شادی اودے سنگھ والیِ جودھ پور کی بیٹی سے کی جس سے شہزادہ شاہجہاں پیدا ہوا۔ اس نے راجپوتوں اور ہندوؤں کو حکومت میں اچھے اچھے عہدے دیے تھے جس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہندو اور راجپوت خاندان مغلیہ کے استقلال کے ایسے ہی خواہشمند تھے جیسے کہ مسلمان۔

اکبر کا انتظامِ سلطنت بہت اچھا تھا۔ اس نے بہت ہی اصلاحات کیں۔ ستی کی رسم کو روکا۔ ہندو بیوگان کی شادی کو جائز قرار دیا دختر کشی کا انسداد کیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے اپنے مذہبی فرائض کی آزادی دی۔ خود کبھی کبھی ماتھے پر تلک لگاتا تھا اس کے زمانے میں زراعت کی بے حد ترقی ہوئی۔ اس نے فوجی انتظام بھی باقاعدہ کیا۔ اس نے مذہب میں بھی اصلاح کی کوشش کی۔ مختلف مذاہب کے چیدہ چیدہ عقائد کے امتزاج سے ایک نئے دین "دینِ الٰہی" کی بنیاد ڈالی اور اپنے کو اللہ کا خلیفہ کہنے لگا تھا لیکن ان سب باتوں کا لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ دراصل چند علما اور اپنی بیویوں کے کہنے پر وہ اپنے کو خلیفہ کہنے لگا تھا۔

اکبر نے موت سے پیشتر ایک تقریر کی۔ جہانگیر کو چند مفید نصیحتیں کیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ۱۶۰۵ء میں وہ سخت بیمار ہوا۔ اس کے دونوں بیٹے مراد اور دانیال بھی فوت ہو چکے تھے اکبر نے شہزادہ سلیم کی خطا معاف کر کے اس کو والیِ سلطنت قرار دیا

آخر اسی سال ۱۳ اکتوبر کو اس نے اپنے پکے مسلمان ہونے کا اقرار کر کے ملک عدم کو سدھارا۔

اکبر کو زیادہ تر ناز اپنے نورتن پر تھا جن کے حالات ہم آگے چل کر لکھیں گے۔

# ابوالفضل

ابوالفضل اکبر کا وزیر اعظم اور وزیر جنگ تھا۔ وہ ۹۵۶ھ ہجری میں پیدا ہوا، چونکہ اس کا باپ ایک قابل استاد تھا اس لئے اس نے جو کچھ تعلیم حاصل کی وہ اپنے باپ سے ہی حاصل کی تھی پندرہ سال کی عمر میں اس نے خاصی تعلیم حاصل کر لی۔ وہ بہت بڑا فلسفی تھا۔ اس کی رائے علما کی بزم میں بہت مقبول ہوا کرتی تھی، اس کا باپ شیخ مبارک پہلے سنی المذہب تھا پھر شیعہ ہو گیا اور فلسفہ کی کتابوں کے مطالعہ سے دہریہ ہو گیا۔ مسلمان یہ چاہتے تھے کہ اس کو قتل کر کے غازی بنیں مگر وہ جان بچانے کے لئے آگرہ سے بھاگ گیا۔ اس کے جملہ بیٹے وہیں رہے لیکن الفنسٹن صاحب نے تاریخ ہند صفحہ ۵۳۳ میں لکھا ہے کہ وہ ہرگز مسلمان نہ تھے (لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے وہ بظاہر اسلام کے اصولوں پر قائم تھے) ابوالفضل کے کل آٹھ بھائی تھے۔ اور سب سے سب

فاضل اجل تھے۔ ابوالفضل حیوانات کے علم کے ساتھ ساتھ تمام جہان کے علوم و فنون میں ماہر تھا۔

ابوالفضل کی دانشمندی اور دوراندیشی کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کبھی اکبر کے کسی بیٹے کو بھی آگرہ میں رہنے نہیں دیتا تھا اس لئے کہ وہ کہیں عیش طلب نہ ہو جائیں، اور امراء سے سازش کر کے اپنے باپ کے خلاف کارروائی نہ کر سکیں۔ اسی وجہ سے سب شہزادے ابوالفضل سے جلتے تھے۔ جہاں کسی شہزادے نے ایک کام پورا کیا وہاں فوراً ہی اس کے سپرد دوسرا کام کر دیا کرتا تھا۔ اس کارروائی سے جہانگیر ابوالفضل کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ جہانگیر نے خود جہانگیر نامہ میں لکھا ہے کہ یہ ملعون (یعنی ابوالفضل) حضرت جنت آشیانی (یعنی اکبر) کو ہماری طرف سے متنفر کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس کو نرسنگھ دیو کے ذریعہ قتل کروا دیا۔

تمام سلطنت ابوالفضل کے ہاتھ تھی۔ اکبر کے انتقال کے بعد اگر ابوالفضل چاہتا تو کوئی اور شہنشاہ نہیں بن سکتا تھا لیکن ابوالفضل کی یہ خواہش ہی نہ تھی۔ جہانگیر جانتا تھا کہ ابوالفضل کے بعد اکبر کو ایسا وزیر اعظم پھر نہیں ملنے کا۔ پھر بھی اس نے قتل کروا دیا۔ شاید مندرجہ بالا وسوسہ کے ماتحت ہی اس نے ایسا عمل کیا ہو۔

ایک مدت سے اکبر کا چھوٹا بیٹا دکن میں سرگرم عمل تھا۔ کچھ نتیجہ

حاصل نہ ہونے پر ابوالفضل اکبر سے اجازت لے کر خود دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اُس وقت جہانگیر الہ آباد میں اکبر سے ناراض ہو کر بیٹھا تھا۔ اس نے اس موقع کو اچھا سمجھا، لیکن آگرہ کے گورنر کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ اس نے الہ آباد پہونچ کر اس پر قبضہ کر لیا اور اس طرح اس کو تین لاکھ کا خزانہ بھی مل گیا۔ اکبر نے اپنے نافرمان بیٹے کو اپنی برہمی کا خط بھیجا اور تنبیہ کی۔ اس نے اس کا جواب عاجزانہ دیا۔ جب اکبر آگرہ آیا تو جہانگیر اس کے استقبال کو آیا۔ اکبر نے فرمان بھیجا کہ اگر تو ہمارے استقبال کے لئے آیا ہے تو اکیلا آ ورنہ الہ آباد واپس چلا جا۔ جہانگیر آخری حکم پر عمل پیرا ہوا۔ اس کے چند ہی دن بعد بنگال اور اڑیسہ جہانگیر کے سپرد کر دیے گئے اور وہ خاموش بیٹھ گیا۔

ابوالفضل کے دکن فتح کرنے کے بعد اکبر نے اس کو لکھا کہ تو اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو وہاں چھوڑ کر جلد واپس چلا آ۔ ابوالفضل نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اُس وقت صرف چھ آدمی ابوالفضل کے ہمراہ تھے۔ جب جہانگیر کو یہ خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے بندیلکھنڈ کے راجہ نرسنگھ دیو کو بلا کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ ہامی ... میل پر تیار ہو گیا۔ چنانچہ راجہ نرسنگھ دیو دس ہزار راجپوت لے کر روانہ ہوا۔ ابوالفضل اُجین تک آ گیا تھا۔ کئی مخبروں نے ... کو ... کی لیکن ابوالفضل نے اس کی پروا نہ کی۔ اس نے ... ساتھ ... کر

ساتھ بے دھڑک آگے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ قریب کے راجہ انتری سے مدد لے کر نرسنگھ دیو کا مقابلہ کیا جائے مگر ابوالفضل نے کہا کہ یہ میری اور میرے آقا کی توہین ہے۔ آخرکار نرسنگھ دیو کی دس ہزار فوج نے ابوالفضل کو مع اس کے ساتھیوں کے گھیر لیا۔ پہلے تو ایک ایک آدمی ابوالفضل کے مقابلہ پر آئے مگر ابوالفضل کے آگے ان کی کیا حقیقت تھی اس نے کئی راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ پھر سو آدمی یک دم حملہ آور ہوئے۔ کہاں سات آدمی اور کہاں سو؟ زمین آسمان کا فرق تھا، لیکن ابوالفضل کی بلندی ہمت اور بہادری نے سو راجپوتوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ آخر نرسنگھ دیو نے اپنی کل فوج یعنی دس ہزار راجپوتوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ دس ہزار راجپوتوں میں ان لوگوں کا پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا۔ اس پر بھی کہتے ہیں کہ ابوالفضل نے ۸۵ راجپوتوں کو تہ تیغ کیا اور زخمی ہو کر سسک رہا تھا کہ نرسنگھ دیو نے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ واقعہ اکتوبر ۱۶۰۲ء کو ہوا تھا۔

جب یہ خبر اکبر کو پہنچی تو وہ اس طرح رویا جس طرح کہ کسی قریبی رشتہ دار کی موت پر روتے ہیں۔ اس غم کے باعث کئی دن تک اکبر اپنے محل میں نہ گیا اور فوراً عظیم الشان فوج نرسنگھ دیو کے ملک کو روانہ کی تاکہ اپنے دل کی پیاس بجھائے اور غم سے نجات پائے اس نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ نرسنگھ دیو کو مع اس کے بال بچوں کے

قتل کر دیا جائے۔ چونکہ اکبر نے ایسا حکم اس سے پیشتر کبھی نہیں دیا تھا اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر اکبر کو جہانگیر کے ان کرتوتوں کی خبر ملتی تو جہانگیر کی خیر نہ تھی لیکن یہ حقیقت اکبر کو اس وقت معلوم ہوئی جب اس کا غم و غصہ ختم ہو چکا تھا۔

جہانگیر "جہانگیر نامہ" میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں نے ابوالفضل کو اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ اکثر اکبر کو اسلام کے خلاف مشورے دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ نہ نبوت کوئی چیز ہے نہ وحی۔

اس سے پیشتر اکبر کا منجھلا بیٹا مراد بھی مر چکا تھا اور ابوالفضل کے چند ماہ بعد دانیال کا بھی انتقال ہو گیا۔ کہتے ہیں اکبر ان حسرت ناک واقعوں سے بہت متاثر ہوا اور اسی غم میں اندر ہی اندر گھل کر دو تین برس کے بعد خود راہی ملک عدم ہوا۔

# ابوالفیض فیضی

ابوالفیض ابوالفضل کا بھائی تھا اور عمر میں ۵ سال بڑا تھا۔ اس کی پیدائش ۱۵۴۷ء میں ہوئی۔ چودہ سال کی عمر میں اس نے عربی تعلیم باقاعدہ حاصل کر لی۔ ایک برہمن سے بنارس میں سنسکرت کی تعلیم حاصل کی۔ وہ سنسکرت میں بھی اچھی مہارت رکھتا اور اشعار بھی کہتا تھا۔ منطق، سائنس اور فلسفے میں اپنی نظیر آپ تھا۔ فیضی اپنے

اخلاق کریمانہ سے تمام اہل دربار اور شہنشاہ کا دوست بن گیا تھا۔ اس کی بہت سی تصانیف قابل قدر ہیں۔ اس کو شہنشاہ سے "ملک الشعرا" کا خطاب ملا۔ اس نے قرآن شریف کی تفسیر بے نقطہ لکھی ہے۔ اس تصنیف سے اس کی عربی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔ فیضی نے لکھا ہے کہ "میں تفسیر لکھنے لگا تو مجھے لغت کی کتابوں کی ضرورت ہوئی۔ میں نے دس ہزار روپیہ کی کتابیں خریدیں۔ اس نے مثنوی "نل دمن" تصنیف کی۔ اس کے بعد "مرکز دوائر" "مخزن اسرار" کی بحر میں تصنیف کی۔ اکبر ان کتابوں کو بہت پسند کرتا تھا۔ جب فیضی نے "شیریں خسرو" کے وزن پر "سلیمان بلقیس" لکھی تو اس کی قابلیت کی دھوم مچ گئی کئی ہزار روپئے اسے انعام ملے۔ سکندر نامہ کے مقابل اکبر نامہ لکھنا شروع کیا۔ کتاب ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ مر گیا۔ فیضی نے اکبر کے حکم سے کئی سنسکرت کتابوں کا بھی ترجمہ کیا۔ اس کی ہر کتاب قابل قدر ہے۔ فارسی میں مہابھارت اور رامایانا کا ترجمہ کیا۔

اس کی زندگی کا ایک عبرت انگیز واقعہ جو ہر ایک کے لئے قابل مطالعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی وجہ سے ایک وقت اکبر اس سے ناراض ہو گیا اور دربار کا آنا بھی بند ہو گیا۔ بہتیرا سفارشات ہوئیں لیکن کارگر نہ ہوئیں۔ فیضی اور اس کے بھائی ابوالفضل نے اکبر سے جا کر کہا کہ فیضی نے حضور کی نبوت کا خواب دیکھا ہے اگر اجازت ہو تو وہ خود حضور کے سامنے عرض کر سکتا ہے۔ اکبر یہ سن کر

بہت خوش ہوا ۔ اس نے اس کے آنے کی اجازت دے دی ۔ فیضی نے جو خواب اکبر کے سامنے بیان کیا تھا وہ مختصر طور پر درج کیا جاتا ہے ۔

"میں نے یہ خواب صبح سویرے دیکھا تھا ۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا کتابیں پڑھ رہا ہوں اور سب کی سب کتابیں میرے آگے کھلی رکھی ہیں ۔ یہ کتابیں توریت ، انجیل ، قرآن وغیرہ تھیں کسی نے میرے دروازے پر دستک دی ، پہلی مرتبہ تو میں نے توجہ نہیں دی جب پھر دستک کی آواز آئی تو میں اٹھ کر دروازہ کھولنا ہی چاہتا تھا کہ اتنے میں کمرہ کا پردہ اٹھا اور چار صورتیں نظر آئیں ۔ یہ صورتیں نورانی تھیں ۔ ان کی صورت سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ عورتیں ہیں یا مرد ۔ چاروں صورتیں میرے پاس آکر بیٹھیں اور ہم کلام ہوئیں انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہم فرشتے ہیں ۔ خدا نے ہمیں بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ تیرے ذریعہ شہنشاہ اکبر کے پاس یہ پیغام پہونچا دیں کہ خدائے برتر نے اسے پیغمبر مقرر کیا ۔ یہ وحی ہے جو اس پر بھیجی گئی ہے چونکہ تو آج کل معتوب ہو گیا ہے اس لئے ہم یہ وحی تجھے نہیں دیں گے فلاں درخت میں اس کو پوشیدہ کر دیتے ہیں ۔ تو دربار میں جا کر اطلاع دے دے ۔ اور وہ یہ کہہ کر غائب ہو گئے ۔ یہ سن کر اکبر بہت خوش ہوا ، فیضی آقا کو خوش دیکھ کر یہ شعر پڑھنے لگا ؎

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد
یک نبی رفت و بجائے دگرے پیدا شد

کہتے ہیں کہ فیضی نے یہ شعر پڑھا ہی تھا کہ غیب سے ایک گڑگڑاہٹ کی آواز آئی جس سے اکبر اور اس کے درباری متعجب ہوئے۔ وہ غیبی آواز یہ تھی جس نے فیضی پر بڑا اثر کیا اور وہ اپنی بناوٹی باتوں سے ٹھہرا گیا۔

حیف صد حیف کہ شر البشرے پیدا شد
یعنی در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد

مندرجہ بالا واقعہ کی تصدیق بہت سے مورخوں نے کی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ واقعہ سچا ہے یا جھوٹا۔

کہتے ہیں کہ فیضی کی تنخواہ کا بیشتر حصہ کتابوں کے خریدنے میں خرچ ہوتا تھا۔ اور لوگوں کو دنیا کے ہر گوشہ میں بھیجکر وہ کتابیں منگواتا تھا۔ اس کے انتقال پر اس کی ۴۳۰۰ کتابیں نکلیں یہ سب کی سب اعلیٰ درجہ کی کتابیں تھیں جب فیضی بیمار ہوا اور جینے کی کوئی امید نہ رہی تو اکبر کو شب کے دو بجے اس بات کی خبر ملی۔ وہ سیدھا فیضی کے گھر پہنچا۔ وہ فیضی کے قریب آ بیٹھا، اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ الفنسٹن لکھتا ہے کہ "جب اکبر کو فیضی کے مرنے کا حال معلوم ہوا تو روتا ہوا اٹھ بیٹھا اور ابوالفضل سے گلے لپٹ کر خوب رویا۔ اکبر اور ابوالفضل خوب دھاڑیں مار مار کر روئے۔ کہتے ہیں کہ اکبر نے برابر دو دن اسی غم سے کھانا تک نہیں کھایا۔ اکبر درباریوں سے کہتا تھا کہ فیضی کے مرنے سے میرے علم کا روشن آفتاب غروب ہو گیا

مندرجہ بالا حالات سے یہ بخوبی پتہ چلتا ہے کہ فیضی مسلمان نہیں تھا بلکہ آزاد خیال تھا، لیکن اکبر کا پرائیویٹ سکریٹری عبدالقادر لکھتا ہے کہ جب مرض نے فیضی پر اپنا سکہ جمایا تو اُس نے خوف کے مارے پھر دین اسلام قبول کر لیا اور کلمہ پڑھا۔ اس نے لکھا ہے کہ فیضی نے مرنے سے پیشتر اپنے مسلمان ہونے اور کلمہ پڑھنے کا اظہار اکبر کے ایک خط میں بھی کر دیا تھا لیکن عبدالقادر یہ بھی لکھتا ہے کہ اس نے خدا کو فریب دینا چاہا۔ وہ ہرگز مسلمان نہیں مرا۔

اگر اس نے مرنے سے پیشتر توبہ کر لی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسلمان نہ مرا ہو۔ چونکہ عبدالقادر اور فیضی کے مابین کچھ اَن بَن ہو گئی تھی اسی لیے اُس نے ایسا لکھا ہے۔

کہتے ہیں کہ فیضی اور ابوالفضل نے مل کر عرفی کو زہر دیا تھا لیکن اس کا کوئی بیّن ثبوت ابھی تک نہیں مل سکا۔ جب اکبر کے دربار میں عرفی قصیدہ سُناتا تو فیضی ایک ہی دفعہ سن کر اُسے حفظ کر لیتا۔ جب عرفی سُنا چکتا تو وہ کہتا کہ یہ قصیدہ میرا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے اور اپنے غلام کی طرف اشارہ کرتا وہ بھی سُنا دیا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن عرفی نے نصف قصیدہ سُنا کر فیضی سے کہا کہ بقیہ قصیدہ سُناؤ تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور آئندہ سے کبھی ایسی غلطی نہ کی۔

عرفی فیضی سے جلتا تھا اور اس کے اشعار پر اعتراض کرتا تھا۔ لیکن فیضی کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ وہ صرف اس لئے جلتا تھا کہ فیضی کو شہنشاہ نے "ملک الشعراء" کا خطاب دے دیا تھا۔ الفنسٹن لکھتا ہے کہ فیضی ہی پہلا مسلمان ہے جس نے سنسکرت کے علم پر اچھی طرح دسترس حاصل کی اور ہندوؤں کے علوم سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا۔ جب تک اکبر کا نام زندہ ہے اس فاضل کا نام بھی لوگوں کی زبان پر رہے گا۔

# راجہ ٹوڈرمل

راجہ ٹوڈرمل کی پیدائش کی صحیح تاریخ کا علم کسی کو نہ ہوگا وہ اکبر کے دربار میں بہ حیثیت وزیر خزانہ تھا۔ اس کے عہد میں کئی نئے قواعد ایجاد ہوئے جو واقعی قابلِ قدر ہیں۔ پانچ سال ہی کا تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ایک استاد نے اس کی ذہانت کو دیکھ کر اس کی سرپرستی قبول فرمائی اور محبت سے تعلیم دینے لگا مگر دو سال بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ آخر گیارہ سال کی عمر میں وہ راجہ ہرچند راؤ کا دس روپے کا ملازم ہو کر لاہور گیا۔ راجہ ہرچند راؤ اس سے اپنے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے مگر چار سال بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ وہ پھر اپنی ماں کے پاس آ گیا۔ اکبر کے ہاں اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ادنیٰ منشیوں میں نوکر ہو گیا

آخر ترقی کرتے کرتے وزیر کے عہدے تک پہونچ گیا، وہ بلا کا جنگجو تھا۔ اکبر کے ساتھ اس نے کئی جنگوں میں شرکت کی اور فتح حاصل کی۔

بنگال کی جنگ میں ٹوڈرمل نے بہت شہرت حاصل کی۔ جب داؤد خاں بھاگ کر چلا گیا تو اکبر اس کے تعاقب میں چند سرداروں کو چھوڑ کر آپ آگرہ آگیا۔ ان میں ٹوڈرمل نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ داؤد خاں نے چاہا کہ ٹوڈرمل کو ساتھ ملاکر وہاں کی سلطنت پر قابض ہو جائے اور اسی غرض سے اس نے ٹوڈرمل سے درخواست بھی کی تھی لیکن راجہ ٹوڈرمل نے اس کو ٹھکرا دیا اور اپنے آقا سے غداری کرنا منظور نہیں کی۔ آخر گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ ٹوڈرمل کے ایک ہی حملے میں داؤد خاں بھاگ گیا اور اس کے مرنے کے بعد بنگال کے صوبے کو دہلی کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اس نے چند ایسی اصلاحات پیش کیں جس سے مغلیہ خاندان کے قدم ہندوستان میں پوری طرح جم گئے۔ اس کے پیش کردہ قواعد اور اصلاحات کو بڑے بڑے مؤرخوں اور مصنفوں نے بہت سراہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی اصلاح جو قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ اس نے کئی ہزار غلاموں اور لونڈیوں کو چھڑوا دیا اور ان کو سرکاری دفاتر میں ملازم رکھ لیا گیا۔ یہ غلام اور لونڈیاں مختلف ممالک سے گرفتار کرکے لائے جا [illegible]

کہ اکبر راجہ ٹوڈرمل کا بڑا مداح تھا خصوصاً اس کے علم حساب کی بہت تعریف کرتا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان دولت یا کوئی معزز عہدہ پاتا ہے تو بہت اکڑنے لگتا ہے اور اپنے غریب دوستوں سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتا۔ ان سے بات چیت کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے غریبوں کو منہ لگانا تو ایک طرف ان کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا! اس کے برعکس ٹوڈرمل ایسا نہ تھا۔ وہ اپنے غریب دوستوں کے ساتھ اخلاق و مروت سے پیش آتا تھا۔

سب سے اچھی خوبی اس میں جو تھی وہ یہ کہ حکومت کی ملازمت کے لئے سفارشات اور رشتہ داری کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ قابلیت اس کے پیش نظر رہا کرتی تھی۔ ایک واقعہ اس کی اس خوبی کے ثبوت میں مشہور ہے جو حسب ذیل ہے :۔

کہتے ہیں کہ اس کے ایک سالے نے کسی کام کے لئے درخواست دی۔ یہ ساٹھ روپئے کی اسامی تھی۔ اس نے اس کی قابلیت پر غور کیا۔ آخر اس نتیجہ پر پہونچا کہ اپنا سالہ اس کام کا اہل نہیں ہے۔ اس نے کام پر ایک دوسرے شخص کو ملازم رکھ دیا اور اپنے سالے سے کہہ دیا کہ تم نے جس اسامی کے لئے درخواست دی ہے اس کے تم اہل نہیں ہو اس لئے دوسرے شخص کو دے دی گئی۔ لیکن اس اسامی کی جو تنخواہ ہے اُس کا آدھا حصہ تمھیں دیا جائے گا اور

تم کو کام سیکھنا ہوگا۔ جب سیکھ جاؤ گے تو مناسبت کے لحاظ سے تمھیں کام دیا جائے گا۔

اس واقعہ سے اس کی بے غرض خدمت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ رشوت ستانی کے بالکل خلاف تھا، دیانت دار بہت بڑا تھا۔ لاکھوں روپے اس کے سپرد تھے لیکن ایک پائی کا فرق بھی ناممکن تھا۔ متقی بھی تھا۔

اکبر کے ہاں سب سے اچھی بات جو تھی وہ یہ کہ جب تک کوئی شخص ملٹری محکمے میں کام نہ کرے اُس کو سیول محکمے میں اعلے عہدے پر نہیں لیا جاتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اکبر کے دربار کا ہر ملازم بھی اپنی جگہ ایک ماہر فنون سپاہی سے کم نہ تھا۔ اسی پر آج کل ٹرکی اور یورپ میں عمل ہوا کرتا ہے۔

# خان خاناں

خان خاناں سنہ ۱۵۵۶ء میں لاہور میں پیدا ہوا اس کا نام مرزا عبدالرحیم تھا۔ اکبر نے اس کی لیاقت و قابلیت کے مدنظر اس کو "مرزا خاں" کا خطاب عطا کیا۔ اکبر کی ایک عادت جو بہت مقبول تھی وہ یہ کہ خواہ دشمن ہی کیوں نہ ہو اس کے فن کی ضرور قدر کی جاتی تھی، حالانکہ خا[illegible]

اکبر اس کے علم و فضل کی وجہ سے مروّت و اخلاق سے پیش آتا تھا اٹھائیس سال کی عمر میں اس کو جہانگیر کا استاد بنا دیا۔ اسی سال اکبر نے اس کو مظفر شاہ کی سرکشی کو کچلنے کی غرض سے روانہ کیا۔ اپنی بہادری کی نمائش کا یہ اچھا موقع تھا، چنانچہ مرزا خاں نے اس جنگ میں اپنا جوہر اس طرح دکھایا کہ اس کو امید سے زیادہ کامرانی نصیب ہوئی اور اسی جنگ کی کامیابی پر اس کو "خان خاناں" کا خطاب عطا ہوا۔ اور اس کے چند دن بعد وکیل السلطنت یا لارڈ لفٹننٹ آف دی امپائر کا خطاب بھی مرحمت ہوا۔ خان خاناں کی بیٹی کی شادی اکبر کے بیٹے شہزادے دانیال سے ہوئی۔

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر نے بھی اپنے اتالیق کی پوری طرح عزت کی۔ کہتے ہیں کہ خان خاناں بہت خوبصورت تھا۔ اس کی مادری زبان فارسی تھی لیکن بہت جلد اس نے ترکی اور عربی میں مہارت حاصل کر لی۔ اس کے علاوہ اس کو اور کئی علوم میں بھی دستگاہ حاصل ہوئی۔

مسٹر اسٹوارٹ ایک دلچسپ واقعہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں جو درج ذیل ہے :۔

ایک دن وہ مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا کہ چار آدمی آہن پوش آتے ہوئے دکھائی دیے۔ پہرہ دار بھی نہیں تھا۔ وہ دکن کی خوفناک جنگ کے خیالات میں غرق تھا لیکن اس نے ان آہن پوشوں کو دیکھ کر روکا نہیں بلکہ ان کے حرکات کو دیکھنے کے لئے بیٹھ گیا۔

جب وہ نزدیک آگئے تو آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے کہ خان خاناں کا خزانہ یہی ہے۔ انھیں ساتھ ہی پہرہ کا خوف بھی تھا۔ مگر ایک نے کہا کہ یہ خزانہ وقف ہے اس لیے پہرہ نہیں ہوگا۔ خان خاناں نے ان قزاقوں کو جان لیا۔ جب انھوں نے کمند کھینچی تو ایک گوشہ میں چھپ گیا۔ جب وہ اوپر چڑھ آئے تو خان خاناں برہنہ تلوار لے کر نکل آیا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی قزاق کانپنے لگے اور اپنے ہتھیار پھینک دیے خان خاناں نے ان کے خوف کو دور کرتے ہوئے دریافت کیا کہ تم کتنے روپئے اس خزانے سے لینے کے لئے آئے تھے؟ پہلے تو وہ ڈر سے زبان تک نہیں کھولتے تھے، لیکن مجبوراً انھوں نے کہہ دیا کہ ایک ہزار روپئے کے چرانے کی غرض سے آئے تھے۔ خان خاناں نے انھیں فوراً ایک ہزار روپئے دے دیے اور آئندہ سے قزاقی نہ کرنے کا عہد لیا۔ خان خاناں واقعی ایک سخی اور رحم دل انسان تھا۔ اس نے کئی کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں اور بہت سی ترکی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس کا باپ شیعہ تھا لیکن خان خاناں نوجوانی میں سُنی ہو گیا۔ بعد میں مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے وہابی بن گیا تھا۔ اس کی کئی کتابوں کو جہانگیر بڑی قدر سے رکھتا اور خود مطالعہ کرتا تھا۔ اس نے مظفر شاہ کو جو شکست دی اُس کا پورا حال لین پول نے یوں لکھا ہے:-

ادھر مغل جان دینے یا لینے پر تُلے ہوئے تھے۔ اُدھر

مظفر شاہ کے بہادر بھی عزم مصمم کے ساتھ اپنے آقا پہ قربان ہونے کے لئے تیار تھے۔ خان خانان کو نتیجہ کا انتظار تھا۔ کبھی وہ فتح کی خوشی میں ناچنے لگتا اور کبھی شکست کا خیال آتے ہی کانپ جاتا تھا۔ ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد وہ دعا مانگ رہا تھا کہ ایک بندوق کی آواز سنائی دی۔ کسی کو پتہ نہیں چلا کہ آواز کس طرف سے آئی۔ یہ غیبی آواز تھی۔ اس آواز کے آتے ہی گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بندوقیں تڑاتڑ چلنے لگیں توپوں اور بندوقوں کے بعد تلوار پہ ہاتھ پڑے۔ خان خانان اسی کا منتظر تھا۔ اس نے سامنے مظفر شاہ کو بہادری کے ساتھ اپنی فوج کو لڑاتے ہوئے دیکھا۔ اپنے باڈی گارڈ کے دو سو سپاہیوں کو لے کر لڑتے لڑتے کنارے سے مظفر شاہ کی پشت پہ جا پہونچا۔ کسی کو اس واقعہ کی خبر بھی نہ تھی، جب خان خاناں نے للکارا تو مظفر شاہ کانپنے لگا۔ حالانکہ اس نے سنبھل کر حملہ کیا مگر اس کے پیر جمے نہ رہے۔ مظفر شاہ کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ اپنی فوج کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔

خان خاناں نے جب سنہ ۱۶۰۱ء میں احمد نگر پہ فتح حاصل کی تو اس وقت اکبر بوڑھا ہو گیا تھا۔ اکبر کے سب شہزادے موت کا شکار ہو چکے تھے اور صرف جہانگیر ہی باقی تھا مگر اسے اکبر کی موت کا نظر نہ آتا تھا۔ اور اس کو تخت پہ بیٹھنے کی فکر

دامن گیر تھی۔ وہ اس خوف سے کہ کہیں کوئی قتل نہ کر دے، محل میں نہ جاتا تھا۔ حالانکہ اس بات سے اکبر جہانگیر سے بہت متنفر ہو گیا۔ مگر جہانگیر اپنی بیماری کا عذر کر کے چپ ہو جاتا تھا۔

راجہ مان سنگھ جو خسرو کا ماموں تھا وہ یہ چاہتا تھا کہ خسرو تخت پر بیٹھے۔ در پردہ خان خاناں کی بھی یہی خواہش تھی۔ جب جہانگیر نے خان خاناں کی عزت اور مرتبے کو برقرار رکھنے کا وعدہ کیا تو وہ اُس سے مل گیا۔ یہ دیکھ کر مان سنگھ بھی جہانگیر سے مل گیا تھا۔

اکبر خان خاناں کو جس نظر سے دیکھتا تھا اُس کا اکبر نامہ کے مطالعہ سے پتہ چل سکتا ہے۔ اکبر نے مرتے وقت جہانگیر سے خان خاناں کی بہت سفارش کی اور اس کی عزت و مرتبہ کو برقرار رکھنے کی تلقین کی۔

آخر دہلی میں ١٦٢٦ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

# بیربل

سنہ ١٥٢٨ء میں بیربل نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اصل میں ذات کا بھاٹ تھا۔ جب برہمن نے زائچہ کھینچ کر بیربل کے باپ کو بتایا کہ تمہارا لڑکا بڑا خوش نصیب ہے تو کسی کو بھی

یقین نہ ہوا۔ بچپن ہی میں اس کی ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے باپ نے اس کی بڑی محنت سے پرورش کی، چونکہ وہ ذہین تھا اس لیئے باپ جو کچھ کہتا تھا اس کو لفظ بہ لفظ یاد کر لیا کرتا تھا۔ بیربل کے باپ نے اُس کو تعریفی الفاظ ذہن نشین کرا دیے تھے اور وہ کسی امیر کے پاس لے جاتا اور جب امیر بیربل کے مُنھ سے تعریفی الفاظ سنتا تو خوش ہو کر انعام و اکرام دیتا تھا۔ اس طرح بیربل کا باپ مال دار بن گیا مگر بیربل اس پیشہ کا مخالف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سنسکرت کی تعلیم حاصل کرے۔ آخر جب لاہور میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تو اس کی عمر اس وقت پندرہ سال کے لگ بھگ تھی اور اس نے باپ کی پونجی سے ایک برہمن سے یہ کہہ کر کہ میں برہمن ہوں سنسکرت پڑھنا شروع کر دیا۔ بیربل کا استاد اس کی حرکات و سکنات پہ اچھی طرح نظر رکھتا تھا آخر اُسے گمان ہونے لگا۔ کہتے ہیں کہ بیربل کے مسخرے پن سے وہ بدگمان ہو گیا تھا چونکہ عموماً برہمنوں کے لڑکے مسخرے نہیں ہوا کرتے ہیں۔

ایک دن اس نے بیربل سے پوچھ ہی لیا۔ بیربل نے کامل غور کے بعد سچ سچ بتا دیا۔ اس کی سچائی سے خوش ہو کر اس برہمن نے کہا کہ یہ بات میرے سوا کسی اور سے نہ کہیو۔ چونکہ تمھیں علم سے محبت ہے اس لیئے میں تمھیں آئندہ بھی پڑھاؤں گا۔

اس برہمن (بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اس کا نام سندر لال تھا) کے انتقال کے بعد بیربل آگرہ آیا اور فوجی محکمے میں ملازم ہو گیا۔

بیربل اپنی وفاداری اور بہادری سے اکبر کا معتمد خاص ہو گیا۔ وہ کبھی اپنی اصل ذات کو نہیں چھپاتا تھا۔ عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ وہ اکبر کے آگے مسخراپن کیا کرتا تھا لیکن کسی معتبر مؤرخ نے یہ نہیں لکھا ہے، البتہ مہذب پیرائے میں مذاق کیا ہوگا جیسا کہ قدیم زمانے میں علماء اور شعراء بھی کیا کرتے تھے۔ بیربل نہایت ہی متین سنجیدہ اور بہادر آدمی تھا، اس کے علاوہ وہ خود کو بہت کچھ ( خود دار ) سمجھتا تھا۔ دشمنوں کے گروہ میں گھس کر بلاخوف جنگ کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

اکبر کے سوتیلے بھائی میرزا حکیم کے انتقال کے بعد افغانستان پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ اور اس نے مان سنگھ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا تھا۔ باقاعدہ فوجی انتظام کے بعد بھی یوسف زئی قبیلے نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ راجہ مان سنگھ نے جب اکبر کو وہاں کے حالات لکھ بھیجے تو اکبر نے ایک عظیم الشان فوج بھیجنی چاہی۔ بیربل نے اکبر سے اجازت طلب کی تاکہ وہاں اپنی بہادری کے کرشمے دکھلائے مگر بیربل کی جدائی اکبر کو گوارا نہیں تھی۔ بیربل نے اصرار کرنا شروع کیا، وہ چاہتا تھا کہ اگر اس لڑائی میں دشمنوں پر فتح حاصل کرے تو اس کو سربلندی و فخر کا اچھا موقع مل جائے گا۔

آخر کار اکبر نے مجبوراً ایک عظیم الشان فوج زین خاں کی سرکردگی میں روانہ کی۔ بیربل کے ساتھ فیضی بھی تھا۔ راستے میں اس نے ایک یوسف زئی قبیلے سے لڑائی کی اور اسے فتح حاصل ہوئی۔ وہ آگے بڑھتا گیا حتےٰ کہ پہاڑ کے بیچ میں جا پہنچا۔ وہاں کافی اندھیرا تھا اور فوج کا جانا بھی مشکل تھا۔ بیربل ان خوفناک گھاٹیوں سے نکلنے کی تدبیر کرنے لگا۔ اُدھر زین خاں بھی خوفناک اور ہولناک پہاڑیوں سے گزر رہا تھا۔ اس نے کئی چھوٹی چھوٹی جنگوں میں فتح بھی حاصل کی مگر رسد کے سامان ختم ہونے پر اُسے عجیب مشکل پیش آئی۔ وہ مجبوراً بیربل سے آکر مل گیا۔ دونوں مل کر آگے بڑھے۔ اکبر کی مزید فوج اور رسد کے سامان کے بغیر مخالفین سے مقابلہ کرنا مشکل تھا۔

بیربل اور زین خاں آپس میں متفق نہیں تھے۔ دونوں کے الگ الگ خیالات تھے۔ آخر دونوں نے مل کر افغانوں پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ زین خاں بظاہر ساتھ جا رہا تھا مگر اس کے دل میں صفائی نہ تھی۔ زین خاں پہاڑ کی چوٹی پر رہا اور بیربل اپنی بھوکی اور تھکی فوج کو لے کر افغانوں کے مقابلے کے لئے آیا۔ بیربل کو فتح حاصل کرنی مشکل تھی وہ بھوکا پیاسا زین خاں سے آملا۔ دونوں کو کھلے میدان میں آنا پڑا۔

دونوں یہی چاہتے تھے کہ منتشر فوج کو جمع کر کے پھر حملہ آور

ہوں مگر زین خاں کو افغانوں کی تازہ دم فوج سے خوف تھا۔ بیربل کو اس نے یہ مشورہ دیا "ہم عہد و پیمان کر کے اپنے کو دشمن کے حوالہ کر دیں"۔ مگر بیربل کو یہ ہرگز پسند نہ تھا۔ وہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ خود کو اُن کے رحم پر چھوڑ دینا اُس نے بالکل پسند نہ کیا۔ بیربل اپنی کمزور فوج کو لے کر پہاڑیوں کے ذریعہ میدان کی طرف نکلنا چاہتا تھا لیکن دھوکہ باز افغانوں نے سنگ باری شروع کر دی، اور تیروں کی بوچھار ہونے لگی۔ بیربل نے چھٹکارے کی تدبیریں سوچیں مگر کارگر نہ ہوئیں۔ انسان اور حیوان بڑی بے دردی سے قتل کئے جا رہے تھے۔ بیربل ننگی تلوار لئے بڑی جواں مردی سے مقابلہ کر رہا تھا مگر اس کی ایک نہ چلی آخر کار وہ بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

ادھر زین خاں پر بھی افغانوں نے حملہ کر دیا۔ زین اپنی جان بچانے کی خاطر پا پیادہ اٹک کی طرف بھاگ گیا۔ اکبر کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو اُس نے ایک جرار لشکر مرادا ور ٹوڈرمل کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اس فوج نے افغانوں کو زیر و زبر کر دیا سیکڑوں افغان قتل کر دیے گئے، آخر وہاں کا انتظام راجہ مان سنگھ اور ٹوڈرمل کے سپرد ہو گیا۔

اکبر بیربل کے قتل سے بڑا رنجیدہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اکبر نے یہ قسم کھائی تھی کہ جب تک ایک لاکھ افغانوں کو قتل نہ کر دوں گا

چین سے نہ بیٹھوں گا۔ اس نے بیربل کی نعش کو بہتیرا تلاش کیا مگر پتہ نہ چلا۔

# زین خاں کوکا

زین خاں اگرچہ عالم نہ تھا لیکن فطرت نے اس کو اتنی قابلیت اور لیاقت دی تھی کہ سب اس کی عقل و سمجھ دیکھ کر عش عش کرتے تھے۔ زین خاں کے ایجاد کردہ باجوں کو ولایت کے عجائب گھروں میں رکھا گیا ہے۔ اس نے اکبر کے ساتھ پرورش پائی۔ وہ اکبر کا ہم شیر بھی تھا۔ جب اکبر نے بیرم خاں پر فتح حاصل کر لی تو آگرہ میں ایک عظیم الشان کالج کی بنیاد ڈالی۔ اس کالج میں ہر زبان کی باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی۔ اکبر نے زین خاں کو اس کالج میں تعلیم کے لیے بھیج دیا۔ اس نے تین سال میں سنسکرت کے علاوہ اور کئی زبانوں کے لٹریچر اور فنون میں دستگاہ حاصل کر لی۔

اکبر نے اس کی خواہش کے موافق اس کو موسیقی کی تعلیم بھی دلوائی۔ اس نے چند سال کے عرصہ میں علم موسیقی میں کافی مہارت حاصل کر لی۔ چونکہ اس کی طبیعت کا رجحان موسیقی کی طرف تھا اکبر اس کو بہت عزیز رکھتا تھا اور زین خاں بھی اکبر پر جان فدا کرتا تھا۔ جب بیربل قتل کر دیا گیا اور ابوالفتح اور فیضی واپس آئے

تو اکبر نے دربار بند کر دیا۔ زیادہ عتاب زین خاں پر نازل ہوا۔ اکبر نے کہا کہ اس نے میرے ساتھ پرورش پائی ہے۔ اس کو اس بے حیائی کے ساتھ جان بچا کر آنا لازم نہ تھا۔ اگر وہ وہیں مر جاتا تو اچھا ہوتا۔ اس وجہ سے اس نے زین خاں کو آگرہ سے چلے جانے کا حکم بھی دے دیا تھا، مگر اپنے وزیر اعظم ابوالفضل سے کہہ دیا تھا کہ اس کا خیال رکھنا۔ زین خاں شرمندہ ہو کر کہیں چلا نہ جائے۔ اس واقعہ سے اس کی محبت کا پتہ چلتا ہے۔

دکن کی مہم پر اکبر بذات خود سرگرم تھا اور زین خاں بھی اس کے ہمراہ تھا۔ اکبر نے کہا کہ ہم تمہاری موسیقی کے علم کو اس وقت مانیں گے جب یہ ہرن خود بخود سننے کے لئے دوڑ آئیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ کون سی بڑی بات ہے؟ یہ کہہ کر وہ ایک ویران جگہ بیٹھ گیا اور موسیقی شروع کر دی۔ آدھ گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ہرنوں کے غول کے غول آنے لگے اور سر دھننے لگے۔ سب متعجب ہو گئے۔ ہرن اس کی موسیقی میں اس قدر کھو گئے تھے کہ کئی ہرن زندہ بھی پکڑے گئے۔ کہتے ہیں کہ دوتارا اور ستار زین خاں کے ایجاد کردہ ہیں۔

جب اکبر قلعہ چتوڑ کو فتح کرنے کی فکر میں تھا تو زین خاں کو ایک تدبیر سوجھی اور اکبر سے کہا کہ دروازہ کے قریب مٹی کا ٹیلہ قائم کر دیا جائے اور اس پر چڑھ کر قلعہ کے دروازے کو اپنے قبضہ میں کر سکتے ہیں۔ یہ تدبیر واقعی اچھی تھی مگر اس پر عمل پیرا ہونا مشکل تھا۔ چونکہ راجپوت گولہ باری

رہے تھے اس لیے وہاں جانا مشکل تھا مگر اکبر سے اجازت لے کر زین خاں اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ سر نیچے کئے ہوئے وہاں تک پہونچ گیا اور مٹی کی ٹوکری قلعہ کے دروازے کے قریب ڈال دی، اور اسی طرح گردنیں نیچے کئے ہوئے واپس آگئے۔ راجپوتوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تو وہ مسلمانوں کو جادوگر تصور کرنے لگے۔ اکبر نے مزدوروں سے کہا کہ جو کوئی اسی جگہ ایک ٹوکری مٹی ڈال کر آئے گا اس کو ایک روپیہ دیا جائے گا ہزاروں غریب ٹوٹ پڑے دو چار ہی روز میں ٹیلہ مکمل ہوگیا۔ ان میں سے کئی مزدور راجپوتوں کی توپوں کے شکار بھی ہوئے۔ آخر اکبر نے زین خاں کو حکم دیا کہ خود ہی ٹیلے پر چڑھ کر حملہ کرے۔ اس نے حملہ کرکے فتح حاصل کی۔

جلال الدین شروانی نے لکھا ہے کہ ایک دن دو راجپوت نوجوان اکبر کو قتل کرنے کا عہد کرکے آئے۔ انہوں نے اکبر کے سامنے کرتب دکھا کر اپنے کو بے ماں باپ کا کہا۔ اکبر اُن کی خوبصورتی اور اٹھتی جوانی کو دیکھ کر انھیں بہت پیار کرتا تھا۔ اکبر نے اُن کو فوجی مدرسے میں تعلیم دلانی شروع کی اور ان سے کہا کہ جب تم تعلیم مکمل کر لوگے تو فوج میں اعلیٰ عہدے سپرد کر دیے جائیں گے۔ وہ اپنی تدبیر کو مکمل کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن ان کو موقع نہیں ملتا تھا ایک دن جب اکبر صرف زین خاں کے ساتھ تھا تو ایک نے اکبر سے

باتیں کرنا شروع کیں۔ دوسرا پیچھے سے اکبر کو مارنا چاہتا تھا مگر زین خاں نے آگے ہو کر سینہ سپر کر دیا اور زین خاں کا بازو ٹوٹ گیا۔ دونوں گرفتار کر لیے گئے۔

کہتے ہیں کہ اکبر زین خاں سے کبھی ناراض نہیں ہوا تھا، صرف افغانی جنگ میں بیربل کے مارے جانے پر ناراض ہوا تھا، مگر اس ناراضگی میں بھی محبت ملی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ زین خاں کو شعر و شاعری کا ذوق بھی تھا۔ اس کے اشعار پُر مذاق اور قابلِ تعریف ہوا کرتے تھے زین خاں کچھ دن فیضی سے اصلاح لیتا رہا مگر چند دن ہی میں اس کا کلام محتاج اصلاح نہیں رہا۔ جو اشعار زین خاں کہتا تھا وہ سادے اور لطیف ہوا کرتے تھے اس لیے تمام چھوٹے بڑوں کی زبان پر رہا کرتے تھے۔ اس کے اشعار ہر معمولی شخص بھی مزے لے کر پڑھتا تھا۔

اس نے علم موسیقی کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے موسیقی کے تمام اصول بیان کیے ہیں۔

## مُلّا عبدالقادر

مُلّا عبدالقادر ۹۴۷ھ میں بیلان میں پیدا ہوا اور یہ اکبر کا پرائیوٹ سکریٹری تھا۔ اس کی اور اکبر کی پیدائش ہمارے الفو پر کو ایک ہی سنہ میں ہوئی تھی۔ وہ ایک صلح کل انسان تھا۔ اس کا باپ

دنیا دار وہ پکا مُلا! اس لئے دونوں کی نہیں بنتی تھی۔ وہ باپ سے علیحدہ ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا۔

مکہ معظمہ پہونچ کر اپنے ہم نام سے تعلیم حاصل کرنے لگا۔ چند ہی دنوں میں اپنے استاد سے بڑھ گیا اس کا استاد اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی لڑکی عائشہ نامی کا بیاہ عبدالقادر سے رچا دیا۔ عائشہ بھی اچھی قابل اور خوبصورت لڑکی تھی۔ عبدالقادر کا خیال ہندوستان آنے کا ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو لے کر اکبر کی طرف رُخ کیا۔

زین خاں کی سفارش سے اس کی دربار میں رسائی ہوئی۔ اور اس نے دربار میں پہونچ کر صرف السلام علیکم کہا آداب شاہی نہیں بجالایا لیکن اکبر برہم نہ ہوا۔ وہ اس کے علم کی قدر کرنے لگا۔ پہلے وہ قاضی کے عہدے پر مقرر ہوا۔ پھر قاضی القضاۃ ہوا۔ بالآخر اکبر کا پرائیوٹ سکریٹری بن گیا۔ اکثر ابوالفضل اور فیضی سے اس کی اَن بَن ہوتی رہتی تھی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ فرشتوں پر بحث ہونے لگی۔ عبدالقادر نے اکبر سے اجازت طلب کی کہ اگر حکم دیں تو میں مجسّم فرشتوں کو دکھا دوں اکبر نے اجازت دی۔ اس نے اپنی مولویوں کی جماعت کی طرف اشارہ کر کے کہا "دیکھو یہ سب مجسّم فرشتے بیٹھے ہیں" فیضی نے جواب دیا "نہیں تو یہ سب شیطان نظر آتے ہیں" عبدالقادر نے کہا "شیطان کو فرشتے بھی شیطان نظر آتے ہیں" فیضی نے پھر سے سوال کیا "اچھا

کہ ہم تم کو کیسے نظر آتے ہیں؟" یہ سن کر عبدالقادر بغلیں جھانکنے لگا۔ اگر کہتا ہے کہ شیطان نظر آتے ہیں تو اپنے قول کے مطابق خود کو شیطان بننا پڑتا ہے۔ اگر فرشتہ کہتا ہے تو پھر کفر کا فتوے جھوٹا ہو جاتا ہے۔ آخر اس نے اکبر سے کہا "حضور میں ان کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ان کی قلب کی ظلمت نے ان کے تمام جسموں کو چھپا رکھا ہے اس لئے میں انھیں دیکھ نہیں سکتا ہوں۔ اکبر کے دربار کا یہ قاعدہ تھا کہ جو بھی آئے تین مرتبہ جھک کر سلام کرے مگر ملا عبدالقادر کو ان قیود سے آزاد کر دیا گیا تھا اس لئے کہ اکبر علم پہ مرتا تھا۔ اکبر کے دربار میں اکثر فیضی ملا کی ہنسی اڑاتا تھا، کبھی وہ اس کی لمبی داڑھی پر چوٹ کرتا تو کبھی اس کے مغربی لباس کی توہین کرتا تھا۔

ایک دن جب کہ فیضی بیمار تھا تو عبدالقادر عیادت کو پہونچا۔ حالانکہ وہ موت کے بالکل قریب تھا، پھر بھی جب اُس نے عبدالقادر کو دیکھا تو چلا کر کہنے لگا۔ "اجی حضرت فرشتے! آپ وقت سے پیشتر کیوں تشریف لے آئے؟ (چونکہ ملا عبدالقادر نے کسی گزشتہ صحبت میں اپنے فرشتے ہونے کا دعوے کیا تھا) عبدالقادر اس بات کو سن کر شرمندہ ہوا۔ اس نے کہا "فیضی تم بھی عجیب آدمی ہو! ایسے وقت میں تو کلمہ محمدؐ پڑھنا چاہیئے۔" فیضی نے ملا پہ یہ چوٹ کی "کلمہ اُس وقت پڑھتے ہیں جب کہ زندگی سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ میں تو بھلا چنگا ہوں۔ ابھی تو کلمہ پڑھنے اور توبہ کرنے کا بہت وقت باقی ہے۔" ملا عبدالقادر

کو اس بات کے سُننے سے بہت رنج ہوا۔ اُس نے کہا "افسوس ہم ایسی باتیں پھر کب سُنیں گے"۔ فیضی بھی دراصل ملا عبدالقادر سے بہت محبت کرتا تھا لہذا دونوں خوب گلے مل کر رو دیے اور مُلّا کے کہنے پر فیضی نے توبہ کی اور کلمہ محمد بھی پڑھا۔

وہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ قریشی شیخ اور اس کی ماں سیدانی تھی، وہ منصف تھا، جس مذہب کی بات اچھی ہوتی اُس کو پسند کر لیتا تھا۔ حالانکہ اُس کا میلان مذہب کی طرف بہت تھا مگر اس کے دماغ کی قدر نہ کرنا انسانیت سے بعید فعل تصوّر کیا جائے گا۔ اس نے جتنے تاریخی واقعات اپنی کتاب میں لکھے وہ اکثر صحیح ہیں حالانکہ اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "فیضی دہریہ تھا۔ میرے کہنے پر اس نے توبہ کی اور کلمہ بھی پڑھا تھا مگر دل نہیں" یہ صرف ذاتی عداوت کی بنا پر لکھا ہے۔ اس کے علاوہ سب باتیں اس نے درست لکھی ہیں۔

آخر اس کا انتقال اکبر کی موت کے تین سال قبل ۱۶۰۲ء میں ہوا۔

---

# تان سین

تان سین کا نام آج بھی ہر بوڑھے وجوان کی زبان زد ہے یہی وہ اکبری رتن ہے جس نے شہرت لافانی حاصل کی۔ جب تک

علم موسیقی زندہ رہے گا اس کا نام بھی روز روشن کی طرح چمکتا رہے گا
اس کا اصل نام "تاٹنا سینا" یا "تُوٹا سا ئنا" تھا۔ اس کی پیدائش
کے متعلق مورخوں کے الگ الگ خیالات ہیں۔ اس کے آبا و اجداد
اطالیہ کے رہنے والے تھے اس لئے کوئی مورخ لکھتا ہے کہ وہ بھی
اطالیہ ہی میں پیدا ہوا اور کوئی لکھتا ہے کہ اس کی پیدائش ہندستان
میں ہوئی۔ جلال الدین شروانی نے لکھا ہے کہ اس کی پرورش
کشمیر میں ہوئی اور وہیں اس نے تعلیم حاصل کی۔" اسی کے پیش نظر
ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بہت ممکن ہے کشمیر میں پیدا ہوا ہو۔ گانے
بجانے کی صلاحیت خدا داد تھی۔ کہتے ہیں کہ تان سین فخر کے ساتھ
کہتا تھا کہ میں داؤد علیہ السلام کی اولاد سے ہوں۔ اس کی شیریں
آواز اور موسیقی کی تعریف کرنا تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔ وہ
کشمیر سے لاہور آیا مگر فکر معاش سے مجبور ہو کر دہلی پہونچا۔ وہاں
مسجد کے ایک مُلّا کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور انھیں کے پاس
رہنے سہنے لگا۔ مُلّا صاحب کو تصوف میں بھی دسترس حاصل تھی،
اسی لئے اُن کے مکان پر کبھی کبھی قوالی بھی ہوا کرتی تھی اور ملک کے
مشہور قوال شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک دن تان سین نے بھی اجازت
لے کر گانا شروع کیا۔ پھر کیا تھا جو علم موسیقی سے واقف تھے سر
دھننے لگے۔ بڑے بڑے گویّے اس کے مُرید بن گئے۔

اس واقعہ کے بعد تان سین دہلی میں خوب پُجا۔ ہر دن کسی امیر کے

ہاں اس کو گانا پڑتا تھا۔ یہ دیکھ کر ملا صاحب بہت خوش ہوئے۔ ملا صاحب کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں کوئی تان سین کو مجھ سے چھڑا نہ لے۔ اس لیے ملا نے ایک دن تان سین سے کہا کہ یہاں میرے بہت سے دشمن ہیں اس لیے میں نہیں چاہتا کہ یہاں رہوں۔ پہلے پہل تو تان سین کو یہ سن کر تعجب ہوا لیکن وہ ملا صاحب کو اپنا دینی باپ مانتا تھا اس لیے راضی ہو گیا۔ آخر ایک رات ملا صاحب اور تان سین چھپ کر پشاور کی طرف بھاگے۔ چونکہ ملا صاحب دہلی کی شاہی مسجد کے امام تھے اس لیے انھیں یہ فکر تھی کہ کہیں گورنر نے ان کی گرفتاری کے لیے حکم صادر نہ کر دیا ہو۔ گورنر کے حکم سے رستے ہی میں ملا صاحب گرفتار کر کے دہلی لائے گئے۔ آخر تان سین کی سفارش پر ملا صاحب رہا کر دیے گئے۔ ان کو عہدہ سے برطرف کر دیا گیا اور دہلی میں رہنے کی اجازت بھی نہ ملی۔ اسی اثنا میں وہ راہی ملک عدم ہوئے۔
حالانکہ دہلی میں بھی تان سین کی بہت قدر ہوتی تھی لیکن وہ آگرہ پہونچا، چونکہ اکبر وہاں موجود نہیں تھا اس لیے تان سین پہلے بہار اور پھر بنگال کی طرف چلا گیا وہاں کا حاکم داؤد خاں تھا جو انتہائی عیش پرست تھا۔ اس نے تان سین کی بڑی قدر کی اور تان سین کو بھی قدرے آرام ہو گیا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں کوئی ہم پیشہ زہر نہ دے دے۔ داؤد خاں بھرے دربار میں کہتا تھا کہ وہ اگر میری سلطنت بھی مجھ سے رخصت ہو جائے تو میں اپنے کو کسی بادشاہ سے کم نہ سمجھوں گا

اگر تان سین میرے پہلو میں ہو، میں طبلہ بجاتا رہوں اور وہ گاتا رہے
تان سین اپنے علم کو اور زیادہ ترقی دینا چاہتا تھا۔
ایک دن اس کو ایک فقیر نظر آیا۔ وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ایک جگہ وہ جا کر بیٹھ گیا اور ساتھ میں تان سین بھی! مگر اس فقیر کو اپنی مستی میں تان سین کے آنے کی ذرا بھی خبر نہ ہوئی۔ جب وہ پلٹا تو تان سین کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ آنے کا سبب دریافت کیا، اور تان سین نے جب مدعا ظاہر کیا تو وہ کہنے لگا کہ فقیر کو گانے سے کیا ہاتھ لگا۔ آخر اس نے چند انگور تان سین کو کھلائے، پھر اس فقیر نے انگوری شراب کا ایک جام تان سین کو پیش کیا۔ تان سین نے بلا حیلہ وحجت اسے پی لیا اور فقیر بھی جب نشہ میں مست ہو گیا تو مطلب کی کہنے لگا۔ آخر اس نے اس کے پیشہ کے متعلق چند باتیں کہیں اور پھر مست ہو کر کہنے لگا تم کچھ سناؤ! تان سین نے بلا تامل گانا شروع کیا۔ جب تان سین گانے لگا تو اُس نے کہا تمہارا فن ابھی ناقص ہے، اس لئے اس کی اصلاح کر دی، تان سین کی دلی مراد پوری ہو گئی۔ ایک برس کے بعد تان سین نے اپنی تمام خامیوں کی اصلاح کر لی۔ اکبر نے داؤد خاں پر چڑھائی کی اور وہ مارا مارا پھرتا رہا۔ تان سین بھی کبھی جگہ اس کے ساتھ رہا مگر کچھ پیٹ سے مجبور ہو کر آگرہ پہونچا جہاں چند روز کے بعد اکبر کے دربار میں رسائی ہوئی۔

اکبر کے دربار میں پہلی مرتبہ تان سین آیا تو اکبر نے اس سے دو سوالات کیے۔ پہلا یہ کہ موسیقی کا نتیجہ کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ تم نے اس میں اتنی عمر صرف کر کے کیا فائدہ حاصل کیا؟ تان سین نے جواب دیا۔ پہلے سوال کے جواب میں مجھے وقت درکار ہے مگر دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے اتنی عمر صرف کر کے حضور کی درگاہ مُعلّے میں شرف ملازمت حاصل کیا۔ اکبر اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ تان سین جس وقت مشہور تھا اُسی زمانہ میں روم میں ایک شخص انگلیلا نامی بھی بہت مشہور تھا۔ تان سین اس بات پہ فخر کرتا تھا کہ اگر چاہوں تو مجلس کو ہنسی سے بے جان کر دوں یا ایسا رُلاؤں کہ سب موسیقی سے بیزار ہو جائیں۔ وہ اکبر کے ناک کا بال بن گیا تھا اس نے علم موسیقی پہ ایک کتاب لکھی تھی جس میں اصول موسیقی وغیرہ تھے اسی ایک کتاب سے ہزاروں کتابیں تیار ہوئیں۔ زین خاں جو اکبر کے دربار کا با اصول موسیقار تھا اس کے آگے کان پکڑتا تھا حالانکہ دونوں کی کبھی کبھی خوب بنتی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب وہ ندی کے کنارے بیٹھ کر گاتا تو مچھلیاں باہر آکر سُننے لگتیں۔ کہتے ہیں کہ آج کل بھی گجرات میں جو گوییے ہیں وہ گانا شروع کرنے سے پیشتر تان سین کی نیاز دلواتے ہیں۔ بعض ہندو گوییے اس کی تصویر کو پوجتے بھی ہیں۔ وہ اتنا مشہور ہونے کے بعد بھی اور علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ایک وقت دربارِ خاص میں زین خاں نے جو علم

موسیقی کا استاد تھا کہا۔ ہم اُس وقت تم کو مانیں گے جب کہ تم اپنے گانے پہ ہم سے واہ واہ کرا دو۔ تان سین نے جواب دیا، اگر تم اپنے منھ کو باندھ بھی لو تو بند منھ سے واہ واہ کی آواز نہ آئے تو میں گانا چھوڑ دوں گا۔ تمام درباریوں نے خوب اپنے دل کو مضبوط کر لیا مگر جب گانا شروع ہوا تو سب سے پہلے زین خاں نے کہا "واہ استاد کیا کہنے"۔

جلال الدین شروانی نے ایک قصہ لکھا ہے جو نہ معلوم درست ہے یا نہیں، وہ یہ ہے کہ ایک وقت اکبر کے ساتھ تان سین، بیربل اور عبدالقادر وغیرہ بیٹھے تھے۔ بیربل نے کہا کہ ہم نے دیپک کی بہت تعریف سُنی مگر کسی کو گاتے نہیں دیکھا یا تو یہ اصول ہی غلط ہے یا اس کا جاننے والا کوئی موجود نہیں۔ یہ سُن کر سب ان سین کو دیکھنے لگے۔ جب اکبر نے کہا اصول تو غلط نہیں ہو سکتا ممکن ہے کوئی جاننے والا نہ ہو تو تان سین نے جواب دیا آپ کا خیال درست ہے، اصول تو غلط نہیں لیکن اس کے جاننے والے کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اکبر نے کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم واقف ہو۔ اکبر اور اہل دربار کے اصرار پر تان سین نے دریائے جمن کے پانی میں ناف تک کھڑے ہو کر گانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں پانی سے شعلے بلند ہونے لگے اور پانی تیل کی طرح سلگنے لگا

باراکبر
تان سین کو روک لیا ورنہ نہ معلوم کیا آفت آتی!

کہتے ہیں کہ تان سین کا انتقال آگرہ میں ۱۵۹۵ء میں ہوا۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ اس نے کشمیر میں وفات پائی۔ ۱۸۵۷ء میں غدر میں اس کی قبر کسی نے اکھاڑ کر پھینک دی۔

# حکیم ابوالفتح گیلانی

ابوالفتح اکبر کے پرائیوٹ سکریٹری مُلّا عبدالقادر کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کی تعلیم و لیاقت دنیا بھر میں مشہور تھی۔ وہ پہلے جنگی دفتر میں ساٹھ روپے کا ملازم ہوا اور ترقی کرتے کرتے دہلی کا نائب گورنر مقرر ہوا اور چند ہی روز میں اس نے وہ کام کیے کہ اس کو گجرات میں جنگ پر بھیج دیا گیا۔ اس کو اپنے آقا کے خوش کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ وہ اپنی جاں فشانی سے ترقی کرتے کرتے اکبر کا مصاحب خاص ہو گیا۔ ابوالفتح بھی مہمان داری (HOSPITALITY) میں مشہور تھا۔ دُور دُور سے لوگ اس کے یہاں آکر قیام کرتے تھے۔ عرفی جب آگرہ پہونچا تو اس کی بہت بُری گت تھی۔ ابوالفتح ہی نے اس کو اکبر کے دربار تک پہونچایا تھا۔

ایک وقت جہانگیر سے نورجہاں نے اجازت طلب کی تاکہ کبھی

شیعہ مولوی اور سُنّی مولویوں کے مابین بحث ہو۔ جہانگیر سے اجازت حاصل کرتے ہی نورجہاں نے ایران کے مشہور عالم خواجہ علی حسین کو دعوت دی۔ حالانکہ جہانگیر دہریہ بنتا چلا جا رہا تھا، پھر بھی اس کے دل میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی بڑی قدر تھی۔ خواجہ علی حسین کے آگرہ آنے کی خبر سن کر سُنّی مولویوں میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ گئی سب نے مل کر ابوالفتح گیلانی کو اپنا سردار منتخب کیا۔ اس نے مُلّا دو پیازہ کو خواجہ علی حسین کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا، اور تمام اونچ نیچ سے واقف کرا دیا۔ جب بحث شروع ہوئی تو مُلّا دو پیازہ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں معین الدین چشتیؒ کا نام لیا۔ خواجہ علی حسین شیرازی کو جو شیعہ تھا غصّہ آگیا۔ اس نے خواجہ معین الدینؒ کی توہین کی۔ جہانگیر حضرت معین الدین چشتیؒ کا معتقد تھا اس لئے غصّہ ہو گیا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ اس شیعہ مولوی کی زبان گُدّی سے گھسیٹ لی جائے۔ کسی کی مجال تھی جو چوں و چرا کرتا!

اکبر صرف ایک مرتبہ ابوالفتح سے خفا ہوا تھا۔ جب افغانی جنگ میں بیربل مارا گیا تو اُسی میں ایک پلٹن کی کمان ابوالفتح کر رہا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ بیربل مشرق کی جانب سے افغانوں کو پامال کرتا ہوا آئے گا اسی لئے وہ شمال کی طرف چلنے لگا۔ اس لے اس جنگ میں بڑی ہوشیاری کی، راستے میں جو بھی بستیاں آئیں فتح کرتا گیا۔ حتٰے کہ جب وہ حسینی شاہ پر پہنچا تو بار افغانوں کی

عظیم الشان فوج دیکھی۔ حالانکہ ابوالفتح کی فوج کم تھی مگر اس نے یہ ہوشیاری کی کہ پانچ سو سپاہیوں کو کچھ دور چلے جانے کی ہدایت کی اور عین جنگ کے موقع پر طبل جنگ بجاتے ہوئے حملہ آور ہونے کو کہا۔ اب جنگ شروع ہوئی۔ عین اُس وقت جب کہ جنگ عالم شباب پر تھی پانچ سو سپاہی طبل جنگ بجاتے ہوئے آ گئے۔ ابوالفتح نے بآواز بلند کہا کہ دیکھو ہماری مدد کو ایک ہزار لشکر آ پہونچا ہے۔ اب تمہارا ایک سپاہی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔ پہلے ہی سے افغان حیران تھے جب طبل جنگ کی آواز ان کے کانوں میں پہونچی تو وہ بھاگنے لگے۔ اس طرح ابوالفتح کو کامیابی ہوئی۔ مگر جب اس نے سُنا کہ بیربل مارا گیا ہے تو وہ بہت رنجیدہ ہوا اور اسی غم میں وہ بیمار ہو گیا اور اسی حالت میں وہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔

جب اکبر کو ابوالفتح کے آنے کی خبر ملی تو وہ بہت غصہ ہوا اور کہا کہ کیوں ابوالفتح بیربل سے علحیدہ ہو کر دوسری طرف روانہ ہوا۔ کچھ روز تک تو وہ معتوب رہا مگر شہزادہ مراد کی سفارش سے پھر حاضر دربار ہوا۔

وہ بہت اچھا سپاہی تھا، اُس کو سب لوگ حکیم مانتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ تمام فنون میں دسترس رکھتا تھا اور بہترین ماہر تھا بہت بڑا سخی بھی تھا۔ عرفی جیسے قابل شاعر کے قصیدہ پر

خوش ہو کر اس نے دس ہزار روپے انعام کے دیے جس سے عرفی مال دار ہو گیا۔

---

۱؎ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عرفی بالکل جاہل تھا، شاعرانہ استعداد اس میں بدرجۂ اتم موجود تھی وہ دراصل عالم نہیں تھا اس لئے اکثر مورخین نے اس کو جاہل لکھا ہے ۱۲ (ممتاز)

---

ختم

# قطعۂ تاریخ دربار اکبر

(از نتیجۂ فکر ابوالمعانی آفتاب دکن حضرت شاد پوتوی مدظلہ یادگار ظہیر دہلوی)

مصنف ہیں ممتاز مدراسی اس کے
رکھا نام جس کا ہے "دربار اکبر"
لکھا حال اکبر کے درباریوں کا
ہے طرز بیاں کیا ہی بالا و برتر
ہیں بچوں کے حق میں سبق اس کے دل کش
بڑے بوڑھے بھی شاد ہوتے ہیں پڑھ کر
جناب جگر نے وہ دیباچہ لکھا
ہوئے جس کو سرور پڑھ کر سخنور
اسی میں ہے ممتاز کی شادمانی
کہ ممتاز یارب ہو دربار اکبر

# ممتاز مدراسی کی تصانیف



**گلشنِ احمد:۔** ممتاز مدراسی کا نعتیہ دیوان، جس میں استاد عدیم المثال عکاس فطرت حضرت علامہ محوی صدیقی لکھنوی مظلہ اردو لیکچرار مدراس یونیورسٹی کا جامع مقدمہ بھی شامل ہوگا۔

**جام جمشید:۔** بارہ مختصر اصلاحی، رومانی، علمی، ادبی اور مزاحیہ افسانوں کا مجموعہ صدر الشعراء حضرت سرشار کسمنڈوی لکھنوی اور شاعر شباب حضرت مولانا ماہر القادری دہلوی کے پر مغز تبصرے بھی شریک اشاعت ہوں گے۔

**بیاضِ ممتاز:۔** ممتاز کے منتخب اشعار کی جیبی ڈائری۔

**شعلے:۔** پچاس منتخب عشقیہ غزلوں اور نظموں کا مجموعہ۔

**مقالات ممتاز:۔** دس مذہبی، فلمی، ادبی، علمی اور تاریخی مقالات کا مجموعہ۔

**شہ پارے:۔** (حصہ اول) اساتذۂ فن کے خطوط جو ممتاز مدراسی کے نام موصول ہوئے ہیں۔ (حصہ دوم) نوجوان اور مشہور شعراء دیار کے خطوط جو فن خطوط نویسی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

**دنیائے اطفال:۔** بچوں کے لئے دل چسپ مفید مضامین اور نظمیں

**ازواجِ اکبر:۔** اکبر اعظم کی بیویوں کے حالات زندگی اور دل چسپ بحثیں۔

**سفرنامۂ محوی:۔** خدمت اردو کے سلسلہ میں علامہ کے بعض دلچسپ حالات سفر ادبی و علمی بحثوں کا خزینہ اور تاریخی معلومات کا گنجینہ۔

مندرجۂ بالا کتابیں یکے بعد دیگرے ادارۂ تعمیر ادب لکھنؤ کے ذریعے شائع کی جائیں گی۔ تفصیلات کے لئے لکھئے:۔

ادیب پبلشنگ ہاؤس اکبر آباد مدراس نمبر (۲۴)